شریعتِ اسلامی کے بنیادی ضابطے

تصنیف: حسن احمد الخطیب المصری ——— ترجمہ: جناب خلیل حامدی صاحب

——— (۴) ———

(فقہ الاسلام کا ایک باب)

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو: ترجمان القرآن شمارۂ اکتوبر ۱۹۷۰ء)

بائیسواں ضابطہ: "یُقَدَّمُ فی کل ولایۃٍ مَنْ ھو اقدر علی القیام بحقوقھا ومصالحھا"
(ہر منصب اور عہدہ کے لیے اُس شخص کو ترجیح دی جائے گی جو اُس کی ذمہ داریوں اور مصلحتوں کو پورا کرنے پر زیادہ قادر ہوگا)۔ چنانچہ اِس ضابطہ کی رُو سے مُلکی قیادت کے لیے اُس شخص کو مقدم رکھا جائے گا جو عوام کے انتظام و انصرام کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہو، شریعت کے مقاصد میں زیادہ درک رکھتا ہو، اہل تر افراد کے تقرّر اور ناموزون اور ضعفاء کی معزولی پر زیادہ قدرت رکھتا ہو، دشمنوں کے مقابلہ میں زیادہ جری ہو اور اسی طرح وہ مالی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو اور اُسے یہ معلوم ہو کہ اموال کہاں کہاں سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کن کن صحیح مدّات پر صرف کیے جا سکتے ہیں۔ جنگی قیادت کے لیے اُس شخص کو ترجیح ہوگی جو جنگ کے حربوں میں زیادہ ماہر ہوگا، فوج کے نظم و نسق کو زیادہ بہتر طریقے سے سرانجام دے اور دشمن پر یلغار کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو۔ عدلیہ کی ذمہ داری ایسے افراد کو سونپی جائے گی جو شرعی احکام کو بہتر جاننے والے ہوں[1] اور مقدمہ کے فریقوں کے دلائل و بیانات اور اُن کے فریبوں کو سمجھنے میں خوب ہوشیاری سے کام لیتا ہو۔

---

[1] الفروق للقرافی۔

اسی ضابطہ کے پیشِ نظر امامت میں اور جنگی معاملات میں اور دوسرے مناصب میں عورتوں پر مردوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کی بہ نسبت مردان امور کی ذمہ داریوں اور مسئولیتوں کو زیادہ بہتر طریقے سے پورا کر سکتے ہیں۔ جب کہ تربیتِ اولاد کے معاملے میں مردوں کے بجائے عورتوں کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کے اندر بچوں کی عادات و خصائل کو برداشت کرنے کا زیادہ مادہ ہوتا ہے۔ وہ بچوں کے لیے زیادہ شفیق اور زیادہ رحمدل ہوتی ہیں، اور بچوں کی ناگوار باتوں پر کم ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔[۱]

تینتیسواں ضابطہ "تصرّف الامام فی شئون الرعیۃ منوط بالمصلحۃ" (رعایا کے معاملات میں حاکم کے تمام تصرفات مصلحت پر مبنی ہوں گے)۔ اس ضابطہ کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے مال کے بارے میں مَیں نے اپنے آپ کو اُسی مقام پر رکھا ہے جو یتیم کے سرپرست کا ہے۔ اگر ضرورت مند ہوتا ہوں تو اس میں سے کچھ لے لیتا ہوں اور جب کشادہ دست ہو جاتا ہوں تو واپس لوٹا دیتا ہوں اور اگر مستغنی ہوتا ہوں تو لینے سے کلی اجتناب کرتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے گورنروں سے فرمایا: "بیت المال کے بارے میں میرا اور آپ سب کا وہی مقام ہے جو یتیم کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (جو مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے اجتناب کرے اور جو حاجتمند ہو وہ بھلے طریقے سے اس میں سے کچھ کھالے)۔

فقہائے اسلام نے بکثرت مقامات پر اس ضابطہ پر عمل کیا ہے۔ فقہاء کا قول ہے کہ "سلطان کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ بیت المال کی زمین کو عوامی مصلحت کے سوا کسی اور کام کے لیے وقف کرے۔"[۲] فقہاء کا یہ قول بھی ہے کہ "سلطان ایسے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا جس کا کوئی وارث نہ ہو، بلکہ سلطان کو اُس سے قصاص لینا چاہیے یا اُس پر دیت عائد کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ حق عوام سے متعلق ہے۔ اور حاکم عوام کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور جن چیزوں میں عوام کا مفاد ہو اُن کی حفاظت کرنا حاکم کا فرض ہے۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ حاکم مفت میں عوام کے حق کو ساقط کر دے۔ مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں حاکم کی جو نازک ذمہ داریاں اور فرائض ہیں اس سلسلے میں امام زیلعیؒ کا ایک تبصرہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں جس

۱۔ الفروق للقرافی ۲۔ الاشباہ والنظائر ۳۔ الحموی

میں نہایت بلیغ درس دیا گیا ہے اور نہایت موثر نصیحت کی گئی ہے۔ امام زیلعی نے بیت المال کے اموال کی چار قسمیں بتانے کے بعد فرمایا ہے:

"امام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسموں میں سے ہر ایک قسم کے لیے الگ الگ بیت المال مقرر کرے۔ اور ایک کو دوسری قسم کے ساتھ خلط ملط نہ کرے۔ اس لیے کہ ہر قسم کے لیے جداگانہ اور مخصوص احکام ہیں .... اور امام کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لرزاں و ترساں رہنا چاہیے۔ اور ہر مستحق پر اُس کی ضرورت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ اس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی۔ اگر امام نے اس معاملے میں کوئی کوتاہی کی تو بے شک اللہ تعالیٰ اُس سے پائی پائی کا حساب لے گا۔"

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ "اگر عوام الناس کے معاملات میں سے کسی معاملہ کے اندر امام کا تصرف مصلحت کی بنیاد پر صادر ہوا ہو تو اُس وقت تک وہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا جب تک وہ فی الواقع مصلحت کے مطابق نہ ہو۔ اگر وہ مصلحت کے خلاف ثابت ہو تو اُسے نافذ نہیں کیا جائے گا۔"[۵] اسی ضابطے کی وضاحت میں امام قرافیؒ نے اپنی کتاب الفروق میں یہ قول نقل کیا ہے کہ "جو شخص بھی خلافت سے لے کر وصیت کی ذمہ داری تک کسی منصب پر براجمان ہوتا ہے اُس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ جلب منفعت اور ازالہ مفسدت سے ہٹ کر کوئی تصرف کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر احسن طریقے سے) اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من ولی من امور امتی شیئًا ثم لم یجتھد لھم ولم ینصح فالجنۃ علیہ حرام"[۶] (جو شخص میری امّت کے کسی کام کا نگران بنایا گیا اور پھر اُس نے لوگوں کی بہبود کے لیے کوئی تگ و دو نہ کی اور نہ ان کی خیر خواہی کا راستہ اختیار کیا تو اُس پر جنت حرام ہو گئی)۔

چوبیسواں ضابطہ | اذا تعارضت الحقوق قدّم منها المضیق علی الموسع والفوری علی المتراخی

[۵] الاشباہ والنظائر، ص ۱۵۷، ۱۵۸، ج اول طبع ۱۲۹۰ھ۔

[۶] الفروق للقرافی جزو چہارم، طبع تونس

وفرض العین علی الکفایۃ (جب مختلف حقوق میں تصادم ہو جائے تو تنگ کو کشادہ پر عاجلانہ معاملے کو غیر عاجلانہ معاملے پر اور فرض عین کو فرض کفایہ پر مقدم رکھا جائے گا) - اس ضابطے کی جزئیات یہ ہیں کہ اگر ایک شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہے اور اسی دوران اذان ہو جاتی ہے تو اس شخص کو موذن کے کلمات کے اعادہ کو تلاوت قرآن پر ترجیح دینی چاہیے - کیونکہ اذان ختم ہونے کے ساتھ ہی ان کلمات کے دہرانے کا وقت فوت ہو جائے گا جب کہ تلاوت قرآن کے لیے وقت کے فوت ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا - اسی طرح اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جل رہا ہو یا ایسی ہی کسی آفت میں گھر رہا ہو تو اس کا بچانا نماز کی ادائیگی پر مقدم ہو گا - یعنی اگر ایک شخص نماز شروع کر چکا ہے یا اس نے ابھی نماز شروع نہیں کی مگر وقت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اسے نماز قضا کر دینی چاہیے اور جس شخص کا بچانا ضروری ہو چکا ہے اسے بچانا چاہیے[۵]

پچیسواں ضابطہ | "الاجتہاد لا ینقض الاجتہاد[۵]" (ایک اجتہادی فیصلے کو دوسرا اجتہادی فیصلہ منسوخ نہیں کرتا) - اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دوسرا اجتہادی فیصلہ پہلے اجتہادی فیصلے سے زیادہ قوی نہیں ہوتا ہے - دونوں اجتہادی فیصلے مساوی درجہ کے ہوتے ہیں - اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ایک اجتہادی فیصلہ کو دوسرا اجتہادی فیصلہ منسوخ کرتا رہا تو نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ کوئی حکم یا فیصلہ اپنی جگہ پر برقرار نہ رہ سکے گا اور اس میں امت کو شدید مشقت کا سامنا ہو گا -

الاشباہ والنظائر میں اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ اگر قبلہ کی صحیح سمت تعین کرنے میں نمازی کا پہلا اجتہادی فیصلہ بدل جائے تو وہ دوسرے اجتہادی فیصلہ پر عمل کرے - مگر اس کا پہلا فیصلہ بھی صحیح معتبر ہو گا یہاں تک کہ اگر اس نے چار رکعتیں چار مختلف سمتوں کی طرف پڑھیں اور ہر رکعت میں اس کا اجتہادی فیصلہ تبدیل ہوتا رہا تو بھی یہ نماز صحیح ہو گی اور اس پر کوئی قضا لازم نہ ہو گی - علی ہذا القیاس اگر قاضی نے پہلے ایک فیصلہ دیا اور پھر اس کے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی تو اس سے پہلا فیصلہ منسوخ نہیں ہو گا البتہ آئندہ وہ اپنے دوسرے اجتہاد کی بنیاد پر جو فیصلہ صحیح سمجھے گا صادر کرے گا -

---

[۵] الفروق [۵] حموی نے الاشباہ والنظائر کی شرح غمز عیون البصائر جلد اول میں بیان کیا ہے کہ بے شک ایک اجتہاد ...

فقہائے کرام نے اِس ضابطہ کی توثیق میں یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد مسائل میں فیصلہ دیا تھا جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی مخالفت کی تھی لیکن یہ اختلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو منسوخ نہ کر سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق صحیح مروی ہے کہ جب ان پر امور ریاست کا زیادہ ازدحام ہو گیا تو انہوں نے قضا کا منصب حضرت ابوالدرداء کو سونپ دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو آدمی حضرت ابوالدرداء کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ آپ نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ دیا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر المومنین نے اُس کا حال دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا: اگر مَیں ابوالدرداء کی جگہ ہوتا تو تمہارے حق میں فیصلہ دیتا۔ اُس نے کہا: اب آپ کو اس فیصلے سے کس نے روکا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس قضیے میں کوئی نص وارد نہیں ہے۔ اور جہاں تک اجتہادی رائے کا تعلق ہے وہ دونوں کی مساوی حیثیت رکھتی ہے" بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے پہلے سال میراث کے ایک مسئلے میں جو "حجریہ" اور "مشترکہ" کے نام سے مشہور ہے[۹]، یہ فیصلہ فرمایا کہ سگے بھائی کو کچھ نہ دیا جائے۔ جب دوسرا سال آیا تو پھر آپ کے سامنے ایسا ہی مسئلہ پیش ہوا اور آپ نے وہی سابقہ فیصلہ صادر کرنا چاہا۔ اس پر سگے بھائی نے احتجاج کیا اور کہا کہ سوتیلے بھائی تو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ثلث کے وارث ہو گئے حالانکہ وہ میری بھی ماں ہے۔ فرض کیجیے کہ ہمارا باپ کوئی گدھا تھا یا سمندر میں پھینک دیا جانے والا کوئی پتھر تھا لیکن کیا ماں ہم سب کو نہیں جوڑتی؟

دوسرے اجتہاد کا ناسخ نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ مصلحتِ عامہ اس کے نسخ کی متقاضی ہو (ص ۱۴۱)

[۹] وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت اپنا خاوند، ماں، اخیافی بھائی، سگا بھائی یا سگے بہن بھائی چھوڑ کر مر جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ترکے کا نصف خاوند اور چھٹا حصہ ماں اور تہائی اخیافی بھائی لیں گے۔ سگے بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ تمام ترکہ ذوی الفروض میں تقسیم ہو گیا۔ بعض فقہاء کی یہی رائے ہے۔ لیکن راجح قول جس پر آج کل شرعی عدالتوں میں عمل کیا جاتا ہے یہی ہے کہ سگے بہن بھائیوں کو بھی اخیافی بھائیوں کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک کیا جائے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے بھی سوتیلے بھائیوں کے ساتھ ترکہ میں حصہ دار بنا دیا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ پچھلے سال آپ نے جو فیصلہ دیا تھا وہ موجودہ فیصلے کے برخلاف ہے؟ مگر آپ نے فرمایا: اُس قضیے کے لیے ہمارا وہ فیصلہ تھا جو ہم کر چکے ہیں اور اس قضیے کے لیے ہمارا یہ فیصلہ ہے جو اب ہم کر رہے ہیں۔ دونوں اجتہادی فیصلوں میں سے ایک فیصلہ دوسرے کا ناقض نہیں ہے۔

چھبیسواں ضابطہ: لا اجتہاد عند ظہور النص (نص ظاہر ہو جانے پر اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی)۔ اللہ کے دین میں کتاب اللہ کی نصوص اور سنتِ ثابتہ کے خلاف فتویٰ جاری کرنا یا فیصلہ صادر کرنا حرام ہے۔ ابن القیم نے اس بات پر تمام علمائے امت کا اجماع نقل کیا ہے اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات بیان کیے ہیں:

۱۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا۔ (جب اللہ اور اس کے رسولؐ نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اس بارے میں اپنا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے گا)۔

۲۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ("جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں")۔

۳۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ("جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ ظالم ہیں")۔

۴۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ فاسق ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مقام پر ایک بات کو بار بار اس لیے دہرایا اور بار بار اس لیے یاد دہانی کرائی ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ کرنا فسادِ عظیم کا موجب ہے اس کا ضرر ہمہ گیر ہے اور امت کے لیے اس میں شدید تباہی اور ابتلا ہے۔

روایات میں ہے کہ قبیلۂ ثقیف کا ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ ایک عورت نے نحر کے دن طوافِ زیارت کر لیا اور پھر اُسے حیض آگیا تو کیا وہ (اگلے روز کی رمی کیے بغیر) کوچ کر سکتی ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "وہ کوچ نہیں کر سکتی"۔ ثقفی نے کہا: ایسی ایک عورت کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو فتویٰ دیا تھا وہ آپ کے فتوے کے خلاف ہے"۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اُٹھ کر اُسے دُرّے لگانے شروع کر دیے۔ اور فرمانے لگے: جس چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم صادر فرما چکے ہیں اُس کے متعلق تو نے مجھ سے کیوں فتویٰ پوچھا؟" حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی ان کا یہ قول مروی ہے کہ "جس سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرما دیا ہے اُس کی موجودگی میں کسی شخص کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے"۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "تمام اُمّت کا اِس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سُنّت واضح ہو گئی اُس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اُسے ترک کر کے کسی انسان کے قول کی طرف رجوع کرے۔ امام شافعی کا یہ قول بھی بہ تواتر مروی ہے کہ "جب صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو اٹھا کر دیوار پر دے مارو"[۱۰]۔

ستائیسواں ضابطہ | حکم الحاکم فی مسائل الاجتہاد یرفع الخلاف[۱۱] (اجتہادی مسائل میں حاکم کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے)۔

اٹھائیسواں ضابطہ[۱۲] | توابع اور ضمنی امور میں جس بات کو معاف کیا جا سکتا ہے اصل امور میں وہ معاف نہیں کی جا سکتی۔ اسی سے ملتا جلتا علماء کا یہ قول ہے کہ بعض معاملات ایسے ہیں جن میں ضمناً چشم پوشی جائز ہے مگر قصداً جائز نہیں ہے۔

اُنتیسواں ضابطہ | تابع کے لیے جُداگانہ حکم نہیں ہے۔ متبوع اگر ساقط ہو جائے تو اس کے ساتھ تابع بھی خود بخود ساقط ہو جائے گا۔ اگر اصل ساقط ہو گئی تو فرع بھی ساقط سمجھی جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

---

۱۰ اعلام الموقعین جلد دوم ص ۲۰۸ تا ۲۱۰ طبع منیریہ

۱۱ الفروق للقرافی ۱۲ الاشباہ والنظائر

اگر اصل مقروض انسان کی براءت ہو گئی تو اس کے ضامن کی براءت خود بخود واقع ہو گئی۔ یہ ضوابط اکثر و بیشتر مسائل پر منطبق ہوتے ہیں۔ جامع اور کلّی نہیں ہیں۔ بعض جزئیات پر دوسرے اسباب و علل کی بدولت ان کا انطباق نہیں ہوتا۔[۱۳]

تیئیسواں ضابطہ | صاحبِ شرع (قانون ساز ادارہ) کے کلام میں اگر دو مساوی درجہ کے احتمالات پائے جائیں تو اس کلام کو مجمل سمجھا جائے گا۔ اور ایک احتمال کو دوسرے احتمال پر افضلیت نہیں ہوگی۔[۱۴]

اکتیسواں ضابطہ | مرجوح یعنی ضعیف احتمال الفاظ کی دلالت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ ورنہ تمام عمومی احکام کی دلالت کا سقوط لازم آئے گا کیونکہ ہر ایک عمومی حکم کے اندر تخصص کا کسی نہ کسی درجہ احتمال ضرور موجود ہوگا۔[۱۵]

بتیسواں ضابطہ | حتی الامکان کلام کو معمول بہ بنانا اُسے مہمل قرار دینے سے اولیٰ ہے۔ اور جہاں یہ کوئی امکان باقی نہ رہے وہاں بدرجۂ آخر کلام کو مہمل سمجھا جائے گا۔ اسی بنا پر اصولِ قانون کے ماہر علماء کہتے ہیں کہ اگر کسی کلام کا حقیقی مفہوم سمجھنا محال ہو جائے تو اُس کے مجازی معنی مراد لیے جائیں۔ اور اگر حقیقی اور مجازی دونوں میں سے کوئی معنی اس میں سے نہ نکلیں تو اُسے مہمل قرار دیا جائے کیونکہ اُس کے معمول بہ بنانے کا اب کوئی امکان باقی نہیں رہا۔

اس ضابطے کی جزوی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حمل کا اقرار کرتا ہے مگر اس اقرار کا سبب بیان نہیں کرتا تو بعض فقہاء کے نزدیک اُس کے اقرار کو صحیح تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اُسے کسی درست سبب پر محمول کیا جائے گا، مثلاً یہ کہ وہ وراثت میں حصہ لینا چاہتا ہے یا وصیّت میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ یوں اُس کا کلام معمول بہ بن جائے گا۔ اور یہ اس سے بہتر ہے کہ اُسے مہمل قرار دیا جائے۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص حلف اُٹھا کر کہتا ہے کہ وہ اس آٹے میں سے کچھ نہیں کھائے گا تو اگر اُس نے اس آٹے کی بنی ہوئی کوئی چیز مثلاً روٹی کھالی تو اُس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور وہ حانث ہوگا۔[۱۶]

---

۱۳ الاشباہ والنظائر۔ ۱۴ الفروق

۱۵ الفروق

۱۶ الاشباہ والنظائر جلد اوّل

علمائے اصول کا یہ قول بھی اسی قبیل میں سے ہے کہ التاسیس خیر من التاکید (تاسیس تاکید سے بہتر ہے) یعنی کسی کلام کو یہ سمجھنا کہ وہ کسی گزشتہ کلام کے اعادہ کے لیے وارد ہوئی ہے اس سے یہ بہتر ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی نئے مفہوم کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ علمائے اصول کی مراد یہ ہے کہ بعض اوقات ایک جملہ یا ایک لفظ وارد ہوتا ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ کسی سابقہ لفظ کی تاکید و توثیق کے لیے وارد ہوا ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ نئے معنی کی طرف دلالت کرتا ہو جو اس کے علاوہ کسی اور لفظ سے ماخوذ نہ ہوتے ہوں۔ اگر ایسا جملہ یا لفظ دونوں احتمالات کے درمیان گردش کر رہا ہو اور کسی ایک احتمال کے لیے قوی ترجیح موجود نہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ اُسے تاسیس پر محمول کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی نئے مفہوم کے لیے وارد ہوا ہے۔

تینتیسواں ضابطہ: حرمت سے اباحت کی طرف منتقل ہونے کے لیے اعلیٰ درجہ کی شرائط درکار ہیں مگر اباحت سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لیے ادنیٰ ترین سبب کافی ہے۔

شریعت کے اندر بکثرت ایسے احکام ملتے ہیں جو ان دونوں ضابطوں کی توثیق کرتے ہیں۔ مثلاً مسلمان کا خون بہانا حرام ہے۔ اس کے خون کی حرمت اُس وقت تک زائل نہیں ہو سکتی جب تک وہ کسی دوسرے شخص کو عمداً ناحق قتل نہ کرے، یا وہ شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب نہ کرے یا مرتد نہ ہو جائے۔ ازالۂ حرمت کے یہ تمام اسباب و شرائط اعلیٰ درجہ کے حامل ہیں۔ مگر دوسرے پہلو سے دیکھیے تو اگر قصاص کے ذریعہ قاتل کا خون مباح ہو جائے تو معاف کر دینے سے (جو کہ ادنیٰ ترین سبب ہے) دوبارہ حرمت قائم ہو جاتی ہے، اسی طرح ارتداد کی وجہ سے مباح کیا ہوا خون توبہ سے حرام ہو جاتا ہے (حالانکہ توبہ بھی ادنیٰ ترین سبب ہے)۔ رہا یہ مسئلہ کہ اگر زنا کا مرتکب بھی توبہ کرے تو کیا اس کے خون کی حرمت لوٹ آتی ہے تو اس بارے میں علماء کے اندر اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اُسے رجم کیا جائے گا اگرچہ اُس نے توبہ کر لی ہو (کیونکہ توبہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور قانون ظاہری حالات پر فیصلہ کرتا ہے)۔ البتہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر باغی محارب گرفتار ہو جانے سے پہلے توبہ کر لے تو اس سے حد ساقط کر دی جائے گی۔[1]

---

[1] الفروق للقرافی۔ القیاس فی الشرع الاسلامی لابن القیم وابن تیمیہ۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ کسی غیر مرد کے لیے اجنبی عورت سے مقاربت کی حُرمت اس وقت تک زائل نہ ہوگی جب تک اُس کے ساتھ اُس کی اجازت سے گواہوں کی موجودگی میں عقد قائم نہیں ہوجاتا اور مہر کی پابندی عائد نہیں ہوجاتی ۔ مگر جب عقد کے بعد عورت مرد کے لیے مباح ہوجاتی ہے تو اس اباحت کو ختم کرنے کے لیے مرد کی طرف سے طلاق کے معمولی الفاظ کا صادر ہوجانا کافی ہوجاتا ہے ۔

کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو ان دونوں ضابطوں کے دائرے میں نہیں آتے مگر ان کی تعداد بہت کم ہے ۔

چونتیسواں ضابطہ | اسباب الارث ثلاثة : زوجية وقرابة وولاء (وراثت کی بنیادیں تین ہیں : زوجیت، قرابت اور ولاء) ۔ اس مسئلہ کا اصولی پہلو یہ ہے کہ وراثت کی بنیاد دو حیثیتیں رکھتی ہے ایک یہ کہ وہ ختم ہوسکتی ہے اور وہ زوجیت ہے جسے طلاق کے ذریعہ منہدم کیا جاسکتا ہے ۔ اور دوسری یہ کہ وہ ختم نہیں ہوسکتی ۔ اس صورت میں بھی اُس کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ بنیاد اغلب حالات میں دونوں طرف (یعنی اصل اور فرع) سے توارث کی متقاضی ہے یا دونوں طرف سے توارث کی متقاضی نہیں ہے ۔ اگر دونوں طرف سے توارث کی متقاضی ہے تو وہ قرابت ہے اور اگر صرف ایک طرف سے توارث کی متقاضی ہے تو وہ ولاء ہے (کیونکہ ولاء میں اعلیٰ (آقا)، اسفل (غلام) کا وارث ہوتا ہے ۔ اور اس کے برعکس اسفل اعلیٰ کا وارث نہیں ہوتا) ۔

پینتیسواں ضابطہ | "من الحقوق ما ينتقل الى الوارث ومنها ما لا ينتقل" (کچھ حقوق ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور کچھ نہیں منتقل ہوتے) ۔

امام قرافیؒ فرماتے ہیں "اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ ورثاء کی طرف وہی حقوق منتقل ہوتے ہیں جن کا تعلق مال سے ہے یا جو وارث کی حیثیت عرفی کو نقصان سے بچاتے ہیں اور اُس کی تکلیف کو کم کرتے ہیں لیکن جن چیزوں کا تعلق مُورث کی ذات، عقل و فہم، افکار و آراء اور صفات و خصائل سے ہے وہ ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتیں کیونکہ ورثاء صرف مال کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے وہ مال اور جو کچھ مال کے ضمن میں آتا ہے اُس کے وارث تو بن سکتے ہیں ۔ مُورث کی عقل اور مُورث کی ذات اور اس سے وابستہ امور کے وارث نہیں بن سکتے ۔ اس ضابطہ کی رُو سے مُورث اپنی زندگی میں جن مختلف عہدوں

اور مناصب پر فائز تھا مثلاً امامت، خطابت اور وکالت تفویض کردہ اختیارات، وغیرہ، اُس کے مرنے کے بعد یہ عہدے اور مناصب ورثاء کو منتقل نہیں ہونگے۔ اسی طرح اگر مُورث نے اپنی بیوی سے ایلا کیا تھا تو اس کے وارث کو رجوع کا حق نہیں منتقل ہوگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس مُورث کے افکار و خیالات اور اُس کے مذہبی کاموں میں بھی وراثت نہیں جاری ہوگی۔

اس ضابطے کو تسلیم کر لینے اور اس کی صحت و راستی کا اعتراف کر لینے کے باوجود متعدد ائمہ نے بعض فروع کے اندر اس کی تطبیق میں اختلاف روا رکھا ہے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد خود اس ضابطے کے دائرۂ اثر کی تشخیص میں اختلاف کا پایا جانا ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کی یہ رائے ہے کہ خیار شرط کا حق بھی وارث کو منتقل نہیں ہوتا۔ یعنی اگر مُورث نے بیع کے کسی معاملے میں کچھ شرائط کا اختیار حاصل کر لیا تھا تو اس کے بعد اس کے ورثاء کو یہ اختیار نہیں ملے گا۔ مگر امام شافعی اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حق بھی ورثاء کو منتقل ہو جائے گا۔ اسی طرح شفعہ کا مسئلہ ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا حق ورثاء کی طرف نہیں لوٹے گا لیکن بعض فقہاء مثلاً امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک شفعہ کا حق بھی ورثاء کو منتقل ہو جائے گا۔ اس اختلاف کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ خیار شرط کے انتقال کا جو قائل ہے اس کے نزدیک خیار معاہدۂ بیع کی ایک صفت ہے اور جب معاہدے کے تمام متعلقات وارث کو منتقل ہو گئے تو معاہدے کی صفت بھی خود بخود منتقل ہو گئی۔ مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں اختیار کا حق معاہدہ کرنے والے سے متعلق ہے کیونکہ یہ اُس کی مرضی اور انتخاب پر مبنی تھا۔ اور اُس کی وفات سے جس طرح اُس کی دوسری صفات اُس کے ساتھ ختم ہو گئیں ارادہ و انتخاب کی صفت بھی ختم ہو گئی۔[۵۱]

---

۵۱ الفروق